IRJRS

ISSN: *2959-2569* (P), *2959-1384* (E)

International Research Journal of Religious Studies

علامہ رحمت اللہ طارق کے منتخب فقہی مقالات کا تنقیدی جائزہ

CRITICAL REVIEW OF SELECTED JURISPRUDENTIAL ARTICLES OF ALLAMA RAHMAT ULLAH TARIQ

1. ***Saeed ul Rahman***
rahman_saeed456@gmail.com
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies & Arabic, Gomal University, D.I Khan, KPK.

2. ***Dr. Abdul Rashid Qadri***
drirrc2010@gmail.com
Associate Professor, Departmentof Arabic and Islamic Studies,The University of Lahore, Punjab.

Vol. 06, Issue, 01, Jan-June 2026, PP:13-27

OPEN ACCES at: www. irjrs.com

Article History	Received	Accepted	Published
	18-03-26	03-05-26	30-06-26

Abstract

The religion of Islam has the distinction of having the most academic work towards the teachings of the Islamic Shari'ah from the practical steps till today. Whether it is promoting and spreading the religion of Islam showing bias in it or denying the perfection and comprehensiveness of Shariat. Like other sciences and arts, many thinkers and people of intellect and knowledge tried to present rational explanations of the rules of Islamic Shari'ah keeping in mind rational debates and made rational debates their academic abode. Such thinkers who ignored the basic ideas and thoughts of religion in presenting these rational points and arguments were looked upon with admiration and the views of the philosophers who ignore the basic beliefs and principles of Islamic Sharia due to rationality were proven wrong. Thanks to scientific thought and historical awareness, it has been considered good and good to use rational discussions for the understanding of religion, provided that it does not turn

CC BY

humanity away from religious beliefs. Scholars, thinkers and philosophers have made such discussions and scientific efforts since ancient times. Such thinkers were also born in the sub-continent of Pakistan and India, who followed to reach the reality of objects by using logical and philosophical methods, among them is Rehmat Ullah Tariq. Below will be presented a critical review of some jurisprudential articles of Allama Rehmat ullah Tariq, which will give knowledge about his intellectual quest and jurisprudential theory.

Key Words: *Rehmat ullah Tariq, Jurisprudential theory, Philosophers, sub-continent, Islamic Shari'ah.*

موضوع کا تعارف:

دین متین کی توضیح و تشریح کے لیے ہم زمانہ کے مفکرین پیدا ہوئے، جنہوں نے لوگوں کو قرآنی علوم سے منور کرنے کی عملی کاوشیں کی۔ انہی میں بعض مفکرین ایسے بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے منطقی اور فلسفیانہ مباحث اور استدلال کے ذریعے علمی نکات اُٹھائے اور عقلی مباحث کی جانب توجہ مبذول کی۔ ایسے مفکرین جنہوں نے ان عقلی نکات اور استدلال کو پیش کرنے میں بھی دین کے بنیادی نظریات اور افکار کا لحاظ کیا، اُن کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ سائنسی فکر اور تاریخی شعور کی بدولت تدبر و تفکر کے بعد دین کی فہم کے لیے عقلی مباحث سے کام لینا، بشرطیکہ دینی مسلمات سے انسانیت کو برگشتہ کرنے والے نہ ہو، اس کو عمدہ اور اچھا سمجھا گیا ہے۔ زمانہ قدیم سے علماء، مفکرین اور فلاسفہ نے ایسی مباحث اور علمی کاوشیں کی ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی ایسی کئے مفکرین پیدا ہوئے، جنہوں نے منطقی اور فلاسفیانہ انداز کو بروئے کار لاتے ہوئے اشیاء کی حقیقت تک پہنچنے کی تتبع کی، ان میں علامہ اقبال، مولانا عبیداللہ سندھی وغیرہ شامل ہیں۔ انہی میں رحمت اللہ طارق بھی ہیں۔ ذیل میں علامہ رحمت اللہ طارق کے چند فقہی مقالات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا، جس نے انہی کی فکری جستجو اور فقہی نظریہ کی بابت علم ہو گا۔ علامہ رحمت اللہ کے فقہی افکار اور نقطہ نظر پر کلام سے قبل مختصراً اُن احوال کو ذکر کیا جائے گا۔

علامہ رحمت اللہ کا تعارف:

علامہ رحمت اللہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا بوقت پیدائش نام علی اکبر رکھا گیا، جسے بعد میں ''رحمت اللہ'' تبدیل کر دیا گیا۔ ان کا نسب یہ ہے۔

"رحمت اللہ بن عطاء محمد بن سائیں دار بن شیر علی بن مرزا خان بن قادر بخش بن واحد بخش"

ماہ شعبان 1927ء میں ان کی ولادت ہوئی، نام تبدیل کرنے کی وجہ کو علامہ رحمت اللہ طارق نے کچھ یوں ذکر کیا ہے۔ "1346ھ ماہ شعبان المکرم مورخہ 26 بروز سوم (پیر) بمطابق 1927ء کو میری ولادت ہوئی۔ ابتدائی نام علی اکبر رکھا گیا۔ جب میں سخت بیمار ہوا تو عبد الغفور نامزد کیا گیا۔ جب بھی افاقہ نہ ہوا تو والد بزرگوار میری حیات نابکار سے مایوس ہو کر سر بسجود ہوئے اور استخارے کے بعد مرشد بغدادی نے اسے اشارہ دیا کہ گھبرا و مت اور قرآن میں جو پہلا نام آئے وہی رکھ دیا جائے۔ والد بزرگوار جب بیدار ہوئے تو اپنے کسی گہرے دوست سے یہ خواب تمام تر بیان کیا۔ تو اس نے فوراً وضو کر کے قرآن مجید کھولا۔ پہلے

صفحے پر یہ آیت آئی "إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ"۔اس وقت میرا نام رحمت اللہ رکھا گیا۔ تب میری عمر پانچ ماہ کی تھی۔"

چھ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"جب میں چھ سال کا ہوا تو والد بزرگوار نے 83 سال کی عمر میں 27 رمضان بروز جمعہ 8 بجے صبح 1351ھ میں وفات پائی۔"

ان کا تعلق بلوچستان کے علاقہ جھل مگسی سے تھا اور یہیں سے ان اسلاف حجاز مقدس کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے اور عموماً اس سفر میں پیوند خاک ہو جاتے تھے۔ احمد کامران مگسی اس کی کچھ یوں وضاحت کرتے ہیں:

"ہم جھل مگسی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور کئی نسلوں سے یہ سلسلہ تھا کہ سفر حج اور زیارات کیلئے جاتے اور پھر اکثر وہیں پیوند خاک ہو جاتے تھے۔ اپنے اسلاف کی اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے میرے دادا حاجی عطاء محمد بن سائیں داد مگسی بلوچ بھی عازم سفر ہوئے۔ حج کی ادائیگی کے بعد زیارات مقدسہ کیلئے شام، عراق، فلسطین، نجف، کربلا اور طائف تشریف لے گئے۔

مندرجہ بالا توضیحات یہ معلوم ہوا کہ علامہ صاحب کی پیدائش علاقہ جھل مگسی بلوچستان میں ہوئی اور آپ کا تعلق بلوچ قوم کے ذیلی قبیلہ مگسی سے تھا۔ آپ کے والد الحاج عطا محمد مگسی اپنی دینداری اور درویشانہ اسلوب کے باعث سجادہ نشین شیخ عبد القادر جیلانی، نقیب زادہ بغداد السعید احمد بغدادی کے انتہائی مقربین میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ ایک سند امتیاز عطا کی تھی۔ جس پر درج تھا کہ "حاجی عطا محمد مگسی ہمارے خاص الخاص معتقدین اور مریدین کے زمرہ میں شامل ہے۔ ایک بزرگ ہستی ہے، خدا پرست ہے، بدیوں [برائیوں] سے بچا ہوا ہے اور خدا سے لو گار کھی ہے۔ اس کا سینہ موتیوں کی طرح روشن ہے۔

حصول علم و عملی زندگی:

اپنے علاقہ کے علماء سے تحصیل علم کے بعد ملتان، حجاز [جامع ام القریٰ] تشریف لے گئے۔ ملتان سے سند امتیاز [فارغ التحصیل کی سند] حاصل کی، جب کہ تخصص فی الحدیث کی ڈگری جامع ام القریٰ سے حاصل کی۔

" مولانا عبید اللہ سندھی کے براہ راست شاگرد مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (سابق چیئرمین رویت ہلال کمیٹی) سے آپ نے علمی فیض حاصل کیا۔ مزید حصول علم کے لئے ملتان کا سفر کیا۔ محلّہ قدیر آباد میں مدرسہ نعمانیہ عبیدیہ میں برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم دین مولانا عبد التواب صدیقی سے فارغ التحصیل ہو کر سند امتیاز حاصل کی۔۔۔ علم کی پیاس بڑھتی جارہی تھی۔ 1954ء میں آپ نے جامع القریٰ مکہ معظّمہ میں داخلہ لیا اور تخصص فی الحدیث کی ڈگری حاصل کی۔ یہیں سے اجازۃ الروایت کی ڈگری بھی حاصل کی۔"

علمی منازل طے کرنے کے بعد علامہ نے عملی طور پر انگریزی سامراج کے خلاف جدوجہد کی اور تحریک خاکسار میں شامل ہوئے اور علامہ مشرقی کے زیر نگرانی قلمی اعتبار سے بہت سے عمدہ تحریریں لکھیں۔ الاصلاح میں ان کے کالم شائع ہوتے تھے۔

"انگریز سامراج کے خلاف جدوجہد آزادی میں عملی حصہ لینے کیلئے علامہ مشرقی کی قیادت میں بننے والی خاکسار تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور جلد ہی علامہ مشرقی کے قریبی رفقاء میں شمار ہونے لگے۔۔ سر سید کی " تفسیر القرآن " اور حمید الدین کی فراہی کی " نظام القرآن تک رسائی نے آپ کی سوچ میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ آپ نے علامہ مشرقی کے جریدے "الاصلاح

میں با قاعدہ لکھنا شروع کر دیا۔"

آپ کو اسماء الرجال پر بہت مہارت حاصل تھی، اس لیے اسماء الرجال کے ماہر عمادیؒ نے انہیں فن اسماء الرجال میں انہیں اپنا جانشین قرار دے دیا۔ 1958ء میں آپ کی شادی ایک معروف ماہر تعلیم محترمہ نذیر فاطمہ انصاری سے ہوئی۔ بعد ازاں آپ بغداد گئے۔ یہاں پر بے شمار کتب تصنیف کیں۔

وفات:

آپ کی وفات 6 شعبان المعظم بمطابق 13 اکتوبر 2003ء کو ہوئی۔

آپ کی شہرت کا سبب آپ کی دو تصانیف " تفسیر میزان القرآن " اور " تفسیر منسوخ القرآن " بنیں۔ان کے علاوہ آپ کی اہم تصانیف یا رسائل یہ ہیں:

1- تفسیر منسوخ القرآن 2۔ تفسیر برہان القرآن 3۔ تفسیر میزان القرآن
4۔ دانشوران القرآن 5-زمینداری جاگیرداری اور اسلام 6۔قربانی کی شرعی حیثیت
7- قتل مرتد کی شرعی حیثیت 8۔رسول اللہ (صلی کم) کی عطا کردہ جاگیریں اور جاگیر ضبط ہو گئی۔
9۔ لینن سے پہلے ابن حزم 10۔ابن حزم کا موسیقی نامہ 11۔ مسلمان مفکرین کے معاشی نظریات
12۔قرآن کا معاشی نظریہ 13۔اسلامی سوشلزم 14۔ مصوری موسیقی اور طربیہ رقص
15-اختلاف قرآت۔ پس منظر، تاریخ ماخذ 16۔ عربی حروف کیلئے نقطے کب ایجاد ہوئے 17۔ عورت اور مسئلہ امارت 18۔ لباس اور چہرہ کیسے ہونا چاہیے 19۔وادی نمل کی ہشیار ملکہ 20۔فرعون اور موسیٰ
21۔اجماع امت کی شرعی حیثیت 22۔فنونِ لطیفہ اور اسلام 23۔ انسانیت پہچان کی دہلیز پر

24۔خور و غلماں کا دیو مالائی تصور

علامہ صاحب کی درج بالا تصانیف میں اکثریت کو ادارہ ادبیات اسلامیہ ملتان نے شائع کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ اشاعتی ادارہ علامہ صاحب کے فرزند احمد کامران مگسی کی نگرانی میں قائم کیا گیا ہے۔ جبکہ کچھ کتب کی اشاعت سر سید میموریل لائبریری لاہور نے کی ہے۔ جبکہ کچھ رسائل ابھی تک منتظر اشاعت ہیں۔علامہ صاحب کے کئی ایک مضامین قومی ماہناموں، اخبارات وغیرہ میں بھی چھپے ہیں، جن کا تذکرہ " انسانیت پہچان کی دہلیز پر " نامی کتاب میں علامہ صاحب کے حالات زندگی کی ذیل میں ملتا ہے۔ علامہ رحمت اللہ طارق کا شمار برصغیر کے تجدد پسند مکتبہ فکر کے ان مفکرین میں ہوتا ہے، جو اسلاف پر اعتماد کی بجائے، ان کی تعلیمات سے بغاوت کے نظریات رکھتے تھے۔علامہ صاحب نے اسلاف سے جن فقہی مسائل میں اختلاف کیا، جیسے " قربانی کی شرعی حیثیت "، " عورت اور مسئلہ امارت "، " لباس اور چہرہ کیسا ہونا چاہیئے "، " قتل مرتد "، چنانچہ ذیل میں ان مباحث اور ان تحریروں کی روشنی میں علامہ کے نظریہ کو تحقیقی معیار پر پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے:

قربانی کی شرعی حیثیت:

علامہ صاحب کی تحریر کردہ یہ کتاب قربانی کی شرعی حیثیت پر مرتب کی گئی ہے۔اس کتاب میں علامہ رحمت اللہ طارق

نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ صاحب استطاعت پر قربانی واجب نہیں ہے، بلکہ یہ ایک سنت ہے اور سنت بھی ایسی جس کے ترک کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔علامہ رحمت اللہ طارق لکھتے ہیں کہ :

یہ تو آپ معلوم کر چکے ہیں کہ بمطابق تحقیق علامہ ابن رشد جو حدیث بھی مقصد اصلی (وجوب قربانی) کی طرف راہنمائی سے قاصر ہے اسے (وجوب کی) دلیل بنانا ضعیف (اور کمزور) ہے۔ مقصد یہ کہ احادیث کی رو سے قربانی کا وجوب مشکوک اور دلائل کی روشنی میں مشتبہ ہے۔اب لا محالہ اس کی تیسری پوزیشن تسلیم کرنی پڑے گی۔ یعنی سنت۔ ! کیونکہ فقیہ اسلام حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے "الاضحیۃ سنۃ" یعنی قربانی واجب نہیں، سنت ہے۔

اسی کتاب میں آگے لکھتے ہیں :

"جب اس بات کا تصفیہ ہو چکا کہ ذبیحہ عید قربان واجب نہیں، سنت ہے۔ تو اب دیکھنا یہ ہو گا کہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت بلال حبشی وغیرہ عمداً قربانی سے گریز کر کے جہاں وجوب کی نفی فرماتے تھے، وہاں منکر سنت بھی تھے یا کہ نہیں؟ ہماری ناقص رائے میں قربانی ایسی سنت ہر گز نہیں تھی، جسے ترک کر دینے سے قباحت لازم آسکتی ہو یا تبلیغ رسالت کا انکار ثابت ہوتا ہو۔"

علامہ صاحب اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لئے محدث کبیر امام محمد بن حسن کی کتاب جامع الصغیر سے قول ذکر کیا اور اس کے بعد اپنے نقطہ نظر کو استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"سنت کی اس تعریف کی روشنی میں دیانت اور رواداری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر دیکھا جائے تو قربانی اس معنی میں کہ اس کی اصل کتاب اللہ میں ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنت الٰہیہ کے نام سے موسوم فرمایا ہو، ہر گز ہر گز" سنت " نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس معنی میں قربانی سنت ہوتی تو جلیل القدر صحابہ کرام اور خلفائے راشدین اس پر عمل کرنے میں تساہل یا عمد اتغافل سے کام نہ لیتے۔ کیا اسوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے بڑھ کر کوئی اور زیادہ متلاشی اور پابند ہو سکتا تھا؟ قبل اس کے کہ ذبیحہ مذکورہ کے وجوب کے دلائل کا مختصر جائزہ لیا جائے۔"

آگے بحوالہ ابن حزم لکھتے ہیں: "ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کی طرح سیدنا ابو مسعود بھی مسلمانوں کی سہولت اس میں سمجھتے تھے کہ قربانی نہ کی جائے۔ یعنی بلاشبہ مسلمانوں کی سہولت اور میسر کے خیال سے میں قربانی کو ترک کر دینے کا ارادہ کر چکا ہوں کیونکہ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسے ضروری (حتمی اور) واجب سمجھ لیں گے۔"

درج بالا تمام حوالہ جات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ رحمت اللہ طارق عید الاضحیٰ کی قربانی کو نہ تو واجب سمجھتے تھے اور نہ ہی سنت، بلکہ وہ اسے ایک ایسا فعل تصور کرتے تھے کہ اگر کوئی اس کو سر انجام دے دیوے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر کوئی استطاعت رکھنے کے باوجود اسے نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ بلکہ ایسا نہ کرنا عامۃ المسلمین اور غرباء کی دلجوئی کا سبب بن سکتا ہے، جو کہ زیادہ بہتر فعل ہے۔ حالانکہ قربانی کی شرعی حیثیت اتنے تسلسل سے ثابت ہے کہ آج تک کسی کو اس پر بات کرنے کی جرات نہ ہو سکی۔

علامہ رحمت اللہ کی آراء کا جائزہ:

عید الاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی پر پوری امت کا اجماع ہے۔ تمام مسالک میں کوئی ایک بھی ایسا مسلک نہیں ہے

جو اس قربانی کی شرعی حیثیت کے بارے میں لچک رکھتا ہو، حالانکہ اس قربانی کے مسائل اور جانور جن کی قربانی کی جاتی ہے۔ اس بارے میں مختلف مسالک کے درمیان کئی ایک فروعی اختلافات بھی موجود ہیں۔ اسی طرح قربانی کے جانور کی عمر، ایام قربانی کی تحدید، وجوب قربانی کے لئے ضروری نصاب اور اس قسم کی بعض دوسری جزئیات میں فقہاء کے درمیان بھی اختلاف موجود ہے۔ لیکن نفس قربانی کی مشروعیت اور اس خاص موقع یا خاص مقام کے ساتھ مخصوص ہونے کے حوالے سے دنیائے اسلام کا اتفاق اور پوری امت کا اجماع ہے۔ ادلہ اربعہ کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کا اس پر تواتر بھی اس عمل کی مشروعیت کی ایک بڑی دلیل ہے۔ ذخیرہ احادیث میں موجود درجنوں احادیث اس حوالے سے موجود ہیں اور عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے کہ پوری کی پوری امت ایک ایسی بدعت کو اختیار کر چکی ہو، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر دوسری جانب دیکھا جائے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ کئی ایک ایسی احادیث کا وضع ہو جانا، جس پر امت کا تواتر سے عمل جاری ناممکن ہے۔ قرآن مجید نے حج کے بیان میں قربانی کے مقام کی وضاحت بھی کی ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

"ثُمَّ يَحِلُّها إِلَى البَيتِ العتيق"

ترجمہ: پھر اس کے ذبح ہونے کی جگہ قدیم گھر (بیت اللہ) کے قریب ہے۔

اسی طرح سورۃ الصافات میں ہے:

"وَفَدَيناهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ"

اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دیا۔

قرآن مجید نے تو قربانی کے گوشت کا مصرف تک بیان کیا ہے:

" فَكُلُوا مِنها وَأَطْعِمُوا القانِعَ والمعتَرَّ"

وان میں سے خود کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے اور سائل کو بھی کھلاؤ۔

قرآن میں قربانی کا حکم صریح الفاظ میں بھی موجود ہے۔ رسول اللہ صلی علیکم کو حکم ہوا ہے:

"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ"

پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔

"وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ "

اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی مقرر کر دی تھی تاکہ اللہ نے جو چار پائے انہیں دیے ہیں ان پر اللہ کا نام یاد کیا کریں۔

قرآن مجید میں واضح حکم دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جن امور کو بجالانے کا حکم دیں، اُن پر عمل کرنا لازم ہے۔

"وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا "

جو رسول تمھیں دیں وہ لو، اور جس سے وہ تمھیں روکیں اس سے باز آ جاؤ۔

اسی طرح قربانی کے فوائد، اہمیت اور ثواب کی بابت احادیث مبارکہ میں واضح ارشادات مذکور ہیں، جیسے حضرت زید بن ارقمؓ سے منقول ہے۔

"عن زيد بن ارقم قال قال اصحاب رسول الله يارسول الله ما هذه الاضاحي قال سنة ابيكم

ابراهيم قالوا فما لنا فيها يا رسول الله قال بكل شعرة حسنة قالوا: فا لصوف يا رسول الله قال بكل شعرة من الصوف حسنة"

سید نازید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ قربانی کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ ابراھیم کی سنت ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس میں ہمارے لئے کیا ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: پھر اون کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا: اون میں سے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔

درج بالا تمام حوالہ جات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ قربانی کا وجوب نہ صرف احادیث مبارکہ سے ثابت ہے بلکہ یہ قرآن مجید سے بھی واضح ہے۔ اس لئے علامہ رحمت اللہ کے موقف اور تفردات کو نص قطعی کی مخالفت کے سبب آج تک کسی بھی مذہبی فورم پر پزیرائی نہ مل سکی۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہیں کہ علامہ صاحب کی جانب سے جو دلائل دیے گئے ہیں، وہ ثانوی حیثیت رکھنے والی کتابوں سے دیئے گئے ہیں، جبکہ اصل کتابیں (صحاح ستہ) ہیں، جن سے کوئی دلائل نہیں ہے۔

عورت اور مسئلہ امارت:

اس کتاب میں علامہ نے عورت کے ساتھ روا رکھے برے سلوک کا تذکرہ کیا اور اس حقیقت سے روشناس کروایا کہ عورت سے مختلف مذاہب میں برا سلوک کیا جاتا ہے اور اسے مرد سے کم اہمیت اور کم فوقیت دی جاتی ہے۔ اس میں علامہ صاحب لکھتے ہیں:

"ادیان و مذاہب نے "عورت" کے ساتھ انصاف کرنے کی کوئی مستحسن کوشش نہیں کی۔ چینی، جاپانی، ماؤازم، شنٹو ازم اور بدھ مت میں عورتوں پر مردوں کو نہ صرف فوقیت دی جاتی ہے۔ یہی حال ہندو مذہب کا ہے۔ جس میں عورت کو رسوا کن اور ذلت آمیز درجہ پر رکھا گیا ہے۔۔۔ دینِ موسیٰ کے پیروکاروں اور مسیحت کے پرستاروں کے ہاں بھی عورت ایک ذلیل و کمتر مخلوق متصور ہوتی ہے۔ بلکہ تیسری صدی مسیحی تک مقتدایانِ مذہب کی مجالس میں یہ علمی مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ عورت کے روح بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ روح پاک ہے اور عورت ناپاک۔ بلکہ تورات میں یہ بھی ہے کہ عورت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے یعنی مستقل مخلوق ہی نہیں ہے۔ اور اسی ہی اساس پر اسے شیطان کی آلہ کار کہہ کر آدم کو جنت سے نکالے جانے کا ذمہ وار گردانا جاتا ہے۔"

علامہ رحمت اللہ طارق کے موقف سے واضح ہوتا ہے کہ آج پاکستان کی عورت جس سماجی اور سیاسی ہمسری کے سٹیٹس کو انجائے کر رہی ہے وہ سٹیٹس ارتقائی منازل طے کر کے اس منزل تک پہنچا ہے۔ آج پاکستان کے ہر شعبہ ہائے زندگی میں خواتین اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہی ہیں۔ پاکستان کی ہر سیاسی پارٹی اپنی تنظیموں میں اور انتخابی عمل میں خواتین کی شمولیت کو یقینی بنانے کیلیئے ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ یہاں تک کہ پاکستان کی وفاقی کابینہ نے انتخابی اصلاحات کے ایک پیکج کی منظوری دی ہے جس کے تحت سیاسی جماعتوں کو عام انتخابات میں کم از کم پانچ فیصد ٹکٹ خواتین کو دینے کا پابند بنانے کی تجویز بھی شامل ہے۔ ان اصلاحات کے تحت ہر حلقے میں خواتین کے کم از کم دس فیصد ووٹ پول ہونا بھی لازمی قرار دیا جائے گا۔ بحث کرنے کے بعد علامہ عورت کو منصب امامت پر فائز کرنے کو درست قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" عورت امارت کے منصب پر فائز ہو سکتی ہے۔"

یعنی علامہ صاحب مختلف جہات سے بے ربط حوالہ جات لا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام میں عورت کی حکمرانی جائز ہے۔ اسی تناظر میں انہوں نے ان تمام علماء کے لئے تنگ نظر اور سیاسی ملا کا لفظ استعمال کیا، جنہوں نے اس دور میں عورت کی حکمرانی کو شرعی نقطہ نظر سے بیان کرنے کی کوشش کی۔ ان کے مطابق جب سیاسی ملاؤں کے طوفان بد تمیزی سے کام نہ بن سکا تو انہوں نے مذہبی کارڈ کو استعمال کرتے ہوئے، عورت کی حکمرانی کو ناجائز قرار دے دیا۔

علامہ رحمت اللہ کی آراء کا جائزہ:

اسلامی تعلیمات کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ عورت حکمرانی کی اہل نہیں، اور عورت کی حکمرانی فتنوں کے لیے راستہ ہموار کرنا ہے، جیسا کہ سنن الترمذی میں ہے:

" عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا كَانَ أَمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُحَاءَكُمْ. وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ ، وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک تمہارے حکمران بہترین لوگوں میں سے ہوں گے اور تمہارے مال دار سخی اور بخشش کرنے والے ہوں گے اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے طے پائیں گے تو تمہارے واسطے زمین کے اوپر رہنا قبر میں جانے سے بہتر ہو گا، اور جب تمہارے حکمران تمہارے بد ترین لوگ ہوں اور مال دار بخیل ہو جائیں اور تمہاری سربراہی و حکمرانی عورتوں کے سپرد کر دی جائے تو تمہارے لیے زمین کے اوپر رہنے سے قبر میں چلے جانا بہتر ہو گا۔

اس روایت میں واضح الفاظ میں عورت کی امامت کی نفی کی گئی ہے اور یہی مفہوم دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے۔

"حدثنا عثمان بن الهيثم حدثنا عوف عن الحسن عن أبي بكرة قال: "لقد نفعني الله بكلمة سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم أيام الجمل بعد ما كدت أن ألحق بأصحاب الجمل، فأقاتل معهم قال : لما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرى، قال: «لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة"

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ جمل کے زمانے میں اللہ نے مجھے ایک فرمان کی وجہ سے نفع پہچایا جو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سنا تھا۔۔ وہ یہ کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خبر ملی کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو سلطنت کی حکمرانی دے دی ہے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے حکمرانی کسی عورت کے سپرد کی ہو۔

اسی طرح آئمہ اسلاف اور شارحین نے یہ وضاحت کی ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے عورتوں کے لیے جو حکم دیا، اُن کی

گواہی اور امور وہیں تک درست ہیں۔ فتح الباری میں امام خطابی اور شرح السنہ للبغوی میں مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد بطور محاکمہ یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ عورت کی حکمرانی جائز نہیں ہے۔

لباس اور چہرہ کیسے ہونا چاہیے:

داڑھی کی شرعی حیثیت پر ایک بڑا ادب مرتب ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ داڑھی کی شرعی حیثیت مسلمہ ہے۔ داڑھی تمام انبیائے کرامؑ کی سنت، مسلمانوں کا قومی شعار اور مرد کی فطری اور طبعی چیزوں میں سے ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس شعار کو اپنانے کے لیے اپنی امت کو ہدایات دی ہیں اور اس کے رکھنے کا حکم دیا۔

اس کے باوجود مذکورہ کتاب میں علامہ رحمت اللہ طارق نے شکل و شباہت اور لباس کے بارے میں اپنا نقطہ نظر واضح کیا ہے:

"ان کے مطابق اسلام میں داڑھی یا کسی خاص وضع قطع کا لباس "شرط" نہیں ہے۔"

علامہ رحمت اللہ کی آراء کا جائزہ:

جمہور علمائے امت کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب اور اس کو کترواکر یا منڈواکر ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اور اس کا مرتکب فاسق اور گناہ گار ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔

" عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء. وقص الأظفار، وغسل البراجم ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء " قال زكريا : قال مصعب : ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة "

رسول اللہ علیم نے فرمایا: دس " چیزیں فطرت میں سے ہیں (پیدائشی سنت ہیں) : ایک تو مونچھ خوب کتروانا، دوسری داڑھی چھوڑنا، تیری مسواک کرنا، چوتھی پانی سے ناک صاف کرنا، پانچویں ناخن کاٹنا، چھٹی انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، ساتویں بغل کے بال اکھاڑنا، آٹھویں دیے ناف کے بال مونڈنا، نویں پانی سے استنجا کرنا۔ ذکریا روای کہتے ہیں کہ مصعب نے کہا: میں دسویں چیز بھول گیا، مگر ہے کہ یہ کلی ہو گی۔

واضح رہے کہ اس معنی کی کئی ایک دیگر احادیث بھی صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ جن پر علماء نے داڑھی کے وجوب کا فتویٰ دیا ہے۔ داڑھی نہ رکھنا ایک علیحدہ بات ہے، جبکہ داڑھی کے وجوب سے انکار امت کے اندر تفریق ڈالنے کے مترادف ہے۔

واضح رہے کہ کسی فعل کے حرام ہونے کے لیے قرآن مجید یا احادیث نبویہ میں لفظ حرام کہہ کر اس کا حکم "حرام" بیان کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ بعض مرتبہ اشارۃً ایک حکم مذکور ہوتا ہے اور اس کا حکم حرام یا فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید، احادیث نبویہ ﷺ اور تعامل صحابہ سے یہ امر قطعیت سے ثابت ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرامؒ نے اس وجوب کا حکم دیا، کیونکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تب تک کسی چیز کا حکم اور اس حکم کا درجہ متعین نہیں کرتے جب تک کہ ان کے پاس قرآن و حدیث سے دلیل موجود نہ ہو، خواہ صراحتاً ہو یا اشارہ۔

نیز اس امر پر امت کا اتفاق اور اجماع ہے اجماع خود حجت شرعیہ ہے، اس اجماع سے ہی حکم کا درجہ متعین ہو جاتا ہے، جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین اور فقہاء مجتہدین رحمہم اللہ قرآن و حدیث سے ایک مسئلے (داڑھی صاف کرنے

یا ایک مشت سے کم کرنے کا حکم سمجھ کر اس کے درجے پر متفق ہیں تو ان حضرات کا اجماع ہی اس کی حرمت کی دلیل ہے، خواہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں صراحتاً حرمت نہ بھی موجود ہو۔ چہ جائے کہ داڑھی بڑھانے کے وجوب پر صراحتاً دلالت کرنے والی احادیث موجود ہیں جن کی جانب مخالف (واجب کو ترک کرنا) حرام ہے۔ نیز ڈاڑھی منڈوانا متعدد گناہوں کا مجموعہ ہے۔ اس ڈاڑھی کے شرعی حکم سے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

"داڑھی قبضہ (ایک مشت سے کم کرانا حرام ہے، بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے؛ اس لیے اس کے اعلانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دین اسلام کی کھلی توہین ہے اور اعلانیہ گناہ کرنے والے معافی کے لائق نہیں، اور ڈاڑھی کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے حتی کے نماز وغیرہ عبادات میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہے۔"

اس پوری تفصیل سے بات بے غبار ہو جاتی ہے کہ داڑھی سے متعلق نظریات رکھنے میں علامہ صاحب نے شدید ٹھوکر کھائی ہے اور ان کا نظریہ اسلامی تعلیمات سے میل نہیں رکھتا۔

قتل مرتد کی شرعی حیثیت:

علامہ رحمت اللہ طارق کے دیگر اسلامی افکار و نظریات کی طرح، فقہی معاملات پر بھی گہرے اعتراضات موجود ہیں۔ ان کے مطابق فقہ اسلامی کی روشنی میں ارتداد کے مرتکب شخص کے لئے کوئی بھی جسمانی سزا مختص نہیں ہے۔ علامہ رحمت اللہ طارق اپنے اس نظریئے کے ثبوت کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ارتداد کا تعلق دل سے ہے اور دلوں کے حال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے۔ اس لئے اس کی سزا بھی وہی خود دے گا اور کسی اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ارتداد کے معاملے میں کسی کو سزا دے۔

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا"

رہے وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے، تو اللہ ہر گز ان کو معاف نہ کرے گا اور نہ کبھی اُن کو راہ راست دکھائے گا۔

علامہ رحمت اللہ طارق اس آیت کی تشریح یوں بیان کرتے ہیں کہ ''اس میں کہا جاتا ہے آیت میں جرم ارتداد کے لئے جسمانی سزا کی نفی کر دی گئی ہے جبکہ مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ " ارتداد کی سزا موت ہے بلکہ اس غرض کے لئے جناب عکرمہ خارجی نے ایک حدیث بھی بنا کر پیش کر دی ہے۔ یہ "سیاسی" حدیث آہستہ روی سے لوگوں تک پہنچتی گئی۔ اب ابتداء میں یہ سیاسی حدیث اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے جو گورنر تھے ان کے قتل کیلئے وضع کی گئی تھی مگر دو سو سال بعد جب بخاری میں داخل ہو گئی۔۔۔ آئندہ کے لئے طے ہوا کہ جو شخص بھی اپنی "مذہبی" پارٹی کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کا پیروکار بن جائے وہ واجب القتل ہے۔۔ یعنی امراء نے اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف اپنے چیف جسٹسوں کے ذریعے استعمال کیا۔۔۔ جبکہ آیہ زیر بحث واضح کرتی ہے کہ نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار "اصل دین" یعنی دین حق سے انحراف سے باوصف کسی کو جسمانی سزا سے دوچار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کا مرتد اس وقت ہی مرتد شمار ہو گا جب اس کی موت بھی ارتدار پر واقع ہو۔ کیونکہ ایمان اور اسلام کا دل کے اطمینان اور "جماؤ" سے تعلق ہے اگر کوئی مسلمان ہو کر مطمئن نہیں ہو پایا تو اس کا اختیار " سلب نہیں ہوا وہ جب تک کھلی

بغاوت اور تخریب کاری کا مرتکب نہیں ہوتا اسلام اسے منافقت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔"

علامہ رحمت اللہ طارق نے "قتل مرتد کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا ہے۔ اس مقالے میں بھی علامہ رحمت اللہ طارق نے قتل مرتد کی شرعی حیثیت، اس بارے میں فقہاء اور محدثین کے دلائل کو بیان کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پرامن ارتداد کبھی قابل تعزیر نہیں رہا۔

علامہ رحمت اللہ کی آراء کا جائزہ:

اسلامی نقطہ نظر میں مذہب اسلام کو چھوڑنا یعنی مرتد ہو جانا انسان کیلئے ایسی بڑی مصیبت ہے جو دنیاوآخرت ہر اعتبار سے انسان کو برباد کرنے والی ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام سے پھر جائے یعنی مرتد ہو جائے تو پہلے اسے دوبارہ مذہب اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی جائیگی اور حکمت و بصیرت کے ساتھ ہر ممکن کوشش کی جائیگی کہ وہ دوبارہ مذہب اسلام اختیار کرلے تاکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے دردناک عذاب سے بچ جائے۔ اگر مرتد مذہب اسلام کو دوبارہ اختیار کرلیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کے ساتھ کلمہ شہادت پڑھنا ہو گا لیکن اگر کوئی مرتد دوبارہ اسلام قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تو جس طرح دنیاوی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو پھانسی پر لٹکایا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے باغی کو بھی اسلامی حکومت قتل کرائیگی جیسا کہ ابتدائے اسلام سے آج تک مفسرین، محدثین، فقہاء وعلمائے کرام نے قرآن وحدیث اور خلفائے راشدین کے اقوال وافعال کی روشنی میں فیصلہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کے بعض لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق حکم فرمایا:

"فَتُوْبُوا إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ"

لہٰذا اب اپنے خالق سے توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی اور مرتد ہو گئے تھے، ان کو اُن لوگوں کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قتل کرایا گیا جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے مرتد ہونے والے شخص کو "وَكَذَالِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ" کہہ کر قتل کرنے کی تائید کی ہے۔ نیز قرآن کریم کے پہلے مفسر حضور اکرم نے مرتد ہونے والے شخص کو واضح طور پر قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ زمین میں فساد برپا کرنے والوں اور قتل وغارت گری کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ "

یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے مرتد کی سزا کے بارے فقہائے امت کا مذہب کچھ یوں بیان کیا ہے۔:

" والعمل على هذا عند اهل العلم فى المرتد، واختلفوا في المرأة اذا ارتدت عن الاسلام، فقالت طائفة من اهل العلم تقتل، وهو قول الاوزاعي واحمد واسحق، وقالت طائفة منهم تحبس ولا تقتل، وهو قول سفيان الثوري وغيره من اهل الكوفة"

" مرتد مرد کے بارے میں اہل علم کا یہی موقف ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے، ہاں اگر کوئی خاتون مرتد ہو جائے تو امام

اوزاعی، احمد اور اسحٰق کا موقف یہ ہے کہ اسے بھی قتل کیا جائے، لیکن ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے، بلکہ قید کر دیا جائے، اگر توبہ کرلے تو فبہا، ورنہ زندگی بھر اسے جیل میں رکھا جائے۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے"۔

چنانچہ ائمہ اربعہ [امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل] بالاتفاق اس کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے، اس کے شبہات دور کئے جائیں، اس کو توبہ کی تلقین کی جائے اور دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے، اگر اسلام لے آئے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ امام نووی لکھتے ہیں:

" اذا ارتد الرجل وجب قتله، سواء كان حرا أو عبدا ... وقد انعقد الاجماع على قتل المرتد"

اور جب آدمی مرتد ہو جائے تو اس کا قتل واجب ہے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، اور قتل مرتد پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

شمس الدین ابوالفرج مرتد کی سزا کی بابت اہل علم کا اجتماع ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واجمع اہل العلم علی وجوب قتل المرتد ، وروی ذلك عن ابي بكر و عمر و عمر وعثمان و علی و معاذ و ابی موسیٰ و ابن عباس و خالد رضی اللہ عنهم) وغیرهم ، ولم ینكر ذلك فكان اجماعا "

قتل مرتد کے واجب ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے، یہ حکم حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، معاذ، ابو موسی، ابن عباس، خالد اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے اور اس کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا، اس لئے یہ اجماع ہے۔

اسلام دشمن عناصر اور ملحد زنادقہ سیدھے مسلمانوں اور سادہ لوح انسانوں کو ذہنی تشویش اور شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے اور انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کیلئے یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ سوچنے کی بات ہے کہ ایک انسان اپنا آبائی مذہب تبدیل کرنے پر کیوں مجبور ہوتا ہے؟ یقیناً اس کو اپنے دین و مذہب میں کوئی کمی کوتاہی یا نقص نظر آئی ہو گا، جب ہی تو وہ اس انتہائی اقدام پر مجبور ہوا ہے؟ لہٰذا جب کوئی شخص غور و فکر کے بعد اسلام کو اپنا سکتا ہے تو دلائل و براہین کی روشنی میں وہ اس کو چھوڑنے کا حق بھی رکھتا ہے، پس اس کی تبدیلی مذہب پر قدغن کیوں لگائی جاتی ہے؟ یہاں یہ سوال معقول نظر آتا ہے، جبکہ حقائق اس سے یکسر مختلف ہیں، چنانچہ اگر اس پر غور کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ ارتداد کی وجہ اسلام میں کسی قسم کی کمی کوتاہی نہیں ہے؛ بلکہ اس کے پیچھے اسلام دشمنوں کی ایک منظم سازش ہے، اور وہ یہ کہ اسلام دشمنوں کی روز اول سے یہ سعی و کوشش رہی ہے کہ کسی طرح حق کے متلاشیوں کو جادۂ مستقیم سے بچلا کر ضلال و گمراہی کے گہرے غاروں میں دھکیل دیا جائے، چنانچہ شروع میں تو انھوں نے کھل کر اپنے اس مشن کو نبھانے کی کوشش کی، مگر جب ماہتاب نبوت، آفتاب نصف النہار بن کر چمکنے لگا، چنانچہ صبح کو وہ اپنے آپ کو مسلمان باور کراتے تو شام کو اسلام سے بیزاری کا سوانگ رچا کر مسلمانوں کو اسلام سے بد ظن کرنے کی سازش کرتے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"وَقَالَت طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ"

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے (حق سے پھیرنے کی یہ سازش تیار کی اور آپس میں) کہا کہ تم (ظاہری طور پر) ایمان لے آؤ اس (دین و کتاب) پر جو اتارا گیا ایمان والوں پر دن کے شروع میں اور اس کا انکار کر دو اس کے آخری حصہ میں، تاکہ اس یہ لوگ

پھر جائیں۔(دین اور ایمان سے) گویا یہ باور کرانا چاہتے تھے، اگر اسلام میں کوئی کشش یا صداقت ہوتی تو سوچ سمجھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے اس سے باہر کیوں آتے؟ یقیناً جو لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اسے خیر باد کہہ رہے ہیں، انہوں نے ضرور اس میں کوئی کمی، کجی یا کمزوری دیکھی ہو گی؟ اس لئے اسلام نے مرید کی سزا قتل رکھی ہے۔

درج بالا حوالہ جات اور توضیحات کی روشنی میں قرآن مجید، احادیث مبارکہ، اجماع امت اور اہل سنت کے چاروں مکاتیب فکر کے فتاویٰ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہی ہے اور اس حوالے سے علامہ رحمت اللہ طارق کا مؤقف سراسر بے بنیاد ہے۔

خلاصہ بحث:

عیدالاضحیٰ کی قربانی، جس کے وجوب پر اجماع امت ہے، علامہ اس کو ایسی سنت قرار دیتے ہیں، جس کے کرنے یا نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ اس کا نہ کرنا غرباء کی دلجوئی کا سبب ہے۔ اس مطالعہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ علامہ کا یہ مؤقف اسلامی تعلیمات کے صریح مخالفت پر مبنی ہے۔ دیگر فکری مباحث کی طرح مسئلہ امارت میں بھی امت کے اجماعی نقطہ نظر[عورت کی امامت] کے مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام میں عورت کی حکمرانی کو جواز حاصل ہے، لیکن اگر دیکھا جائے تو اس معاملہ میں چونکہ ان کی نظریاتی وابستگی پاکستان کی پیپلز پارٹی سے رہی اور ان کی مذکورہ مسئلہ پر لکھی جانے والی کتاب بھی محترمہ بے نظیر بھٹو کے پہلے دور حکومت میں منظر عام پر آئی، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی پارٹی وابستگی کے اثرات اور جذباتیت کا عنصر نمایاں ہے، بنسبت اس مسئلہ کے بارے میں اسلامی مصادر سے تحقیق کے۔ داڑھی کی شرعی حیثیت پر بھی علامہ صاحب احناف کے نقطہ نظر سے بغاوت جبکہ دیگر مکاتبِ فکر کے نقطہ نظر سے بھرپور اختلاف رکھتے ہیں، اور داڑھی کو وہ عرب معاشرتی ثقافت سے جوڑنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ علامہ ارتداد کو بھی فساد فی الارض نہیں سمجھتے اور پر امن ارتداد کی سزا کے بھی خلاف ہیں، جو کہ امت کے مسلمہ امور کے مخالف ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

1۔طارق، رحمت اللہ، علامہ، انسانیت کی پہچان کی دہلیز پر، ادارہ ادبیات اسلامیہ، ملتان، 2014ء، ص:373

2۔الاعراف:56

3۔طارق، رحمت اللہ، انسانیت کی پہچان کی دہلیز پر، ص:376

4۔طارق، رحمت اللہ، انسانیت کی پہچان کی دہلیز پر، ص:376

5۔ایضاً

6۔ایضاً، ص:378 (یہ کتاب آپ کے فرزند احمد کامران مگسی کی مرتب کردہ ہے۔ اقتباس کے آخر میں "انقلابی تبدیلی" سے مراد تجدد پسندانہ نظریات ہیں۔)

7۔ماہنامہ آفتاب، ''بیاد رحمت اللہ طارق'' خصوصی ایڈیشن، ملتان، اکتوبر 2018، ص:30

8۔ماہنامہ آفتاب، ''بیاد رحمت اللہ طارق''، ص:30

9۔طارق، رحمت اللہ، انسانیت کی پہچان کی دہلیز پر، ص:379

10۔ابن حزم، علی بن احمد، المحلی بالآثار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2002ء، 3/6

11۔طارق، رحمت اللہ، علامہ، قربانی کی شرعی حیثیت، سر سید میموریل لائبریری، لاہور، 2002ء، ص:14

12. Jaffar, Dr Saad, Dr Muhammad Waseem Mukhtar, Dr Shazia Sajid, Dr Nasir Ali Khan, Dr Faiza Butt, and Waqar Ahmed. "The Islamic And Western Concepts Of Human Rights: Strategic Implications, Differences And Implementations." *Migration Letters* 21 (2024): 1658-70.

13۔طارق، رحمت اللہ، علامہ، قربانی کی شرعی حیثیت، ص:15[بحوالہ: جامع الصغیر لمحمد بن حسن، 38/2]

14۔طارق، رحمت اللہ، علامہ، قربانی کی شرعی حیثیت، سر سید میموریل لائبریری، لاہور، 2002ء، ص:15[بحوالہ: المحلی بالآثار لابن حزم، 29/6]

15۔سورۃ الحج:33

16۔سورۃ الصافات:107

17۔سورۃ الحج:36

18۔سورۃ الکوثر:2

19۔سورۃ الحج:34

20۔سورۃ الحشر:7

21۔ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت، ن م، 1045/2، رقم الحدیث:3127

22۔طارق، رحمت اللہ، علامہ، عورت اور مسئلہ امامت، ادارہ ادبیات اسلامیہ، ملتان، ن م، ص:14

23۔ایضاً، ص:32

24۔الترمذی، محمد بن عیسی، الجامع الترمذی، ابواب الفتن، رقم الحدیث:2266

25۔بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی ﷺ الی کسری و قیصر، رقم الحدیث:4163

26۔محمد ناصر، الحاج، المراۃ والشؤون العامۃ فی الاسلام، دار صادر، بیروت، 2001ء، ص:7

27۔طارق، رحمت اللہ، علامہ، لباس اور چہرہ کیسے ہونا چاہیے، ادارہ ادبیات اسلامیہ، ملتان، 2004ء، ص:17

28۔ابن ابی شیبہ، ابو بکر بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، مسند ابن ابی شیبہ، دار الوطن، الریاض، 1997ء، 297/1، رقم الحدیث:447؛ مسند الامام احمد، رقم الحدیث:18327؛ صحیح مسلم، رقم الحدیث:261

29۔تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: محمود بن احمد بدر الدین، امام، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب الباس-الدعوات، دار

الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ن م، 64/22
30۔ تھانوی، اشرف علی، مولانا، ڈاڑھی منڈوانا کبیرہ گناہ۔۔۔، مکتبہ حکیم الامت، کراچی، ن م، ص:10
31۔سورۃالنساء:137
32۔طارق، رحمت اللہ، تفسیر میزان القرآن، ادارہ ادبیات اسلامیہ، ملتان، ن م، ص:121-122
33۔طارق، رحمت اللہ، علامہ، قتلِ مرتد کی شرعی حیثیت، ادارہ ادبیات اسلامیہ، ملتان، ن م، ص:11
34۔سورۃالبقرۃ:54
35۔سورۃالاعراف:152
36۔سورۃالمائدۃ:33
37۔الترمذی، محمد بن عیسی، الجامع الترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی المرتد، رقم الحدیث:1458
38۔النووی، محی الدین بن شرف، المجموع شرح المھذب، مکتبہ الارشاد، جدہ، ن م، 228/19
39۔ابوالفرج، المغنی مع الشرح الکبیر، دارالکتب العربی، س ن، 74/10
40۔سورۃآل عمران:72

Dr. Yilixiati alimu